اقبال کی فارسی مناقب : اجمالی جائزہ

* ڈاکٹر سیدہ عنبر فاطمہ عابدی

A cursory view of Iqbal's Persian Manaqib

Dr. Syeda Ambar Abidi

Allama Muhammad Iqbal is a great poet of both Persian and Urdu Languages. His Persian Manaqib clearly reflect the love for Prophet's progeny and Imams that Iqbal had in his heart and he also beautifully portrayed some of the significant historical events. Iqbal's Manaqib act as potential medium to convey the message of Karbala to the minds of masses. Hence, his Manaqib, in addition to reflecting values of a civilization also appears to teach the lesson about defeating tyranny and oppression through the perfection of patience and courage.

Keywords: Iqbal, Persian Manaqib, Message.

خلاصہ : علامہ محمد اقبال فارسی اور اردو زبانوں کے عظیم شاعر ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں اقبال کے فارسی کلام میں شامل مناقب کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کی منقبتیں مسلمانانِ عالم کو اتباعِ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی دعوت فکر دیتی ہیں۔ ظلم و جور اور معاشرتی ناانصافیوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کے علاوہ اطاعت الٰہی، نیابت الٰہی، صبر و ہمت اور خود شناسی کا درس بھی دیتی ہے۔ یہ مناقب اقبال کی فارسی شاعری کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

کلیدی الفاظ : اقبال، فارسی مناقب، پیغامِ حق

علامہ محمد اقبال کی فارسی شاعری بلا شبہ ادب کا وہ بیش بہا خزینہ ہے جس کے مختلف جواہر ادبی تحقیق کے لیے آج بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ فارسی زبان اقبال کے مزاج سے ہم آہنگ بھی تھی اور انہیں یہ احساس بھی بخوبی تھا کہ اردو کے مقابلے میں فارسی اظہار و ابلاغ کے بہتر مواقع فراہم کرتی ہے۔ پھر یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ علامہ کا فارسی شعری

* A-33 رضویہ سوسائٹی، فیز ۲، اسکیم ۳۳، کراچی

سرمایہ ان کی اردو شاعری سے کہیں زیادہ ہے ۔اس کثیر سرمائے کی جہات کا جائزہ وتجزیہ گویا ایک مستقل دعوت فکر وعمل کے اسباب مہیا کرتا ہے[۱] اقبال نے اسرار خودی، رموزِ بے خودی، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز کی صورت میں فارسی ادب کی اصناف شاعری میں اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک ایسا راستہ ہموار کر دیا کہ جو بڑے سے بڑے امتحان اور کٹھن ترین حالات میں بھی معاشرے کی زورآور طاقتوں اور ظلم و جور کے سامنے ایک مضبوط آواز بن کر اپنے ہم نواؤں کو شریک سفر کرتا ہے ۔جبھی یہ عالم ہے کہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ ایران میں بھی بچے بڑے، ٹیکسی ڈرائیور ہو یا اعلیٰ افسر سب ہی کسی نہ کسی حوالے سے اقبال کے اشعار سے آشنا ہیں ۔ایران میں علامہ اقبال ''اقبال لاہوری'' کے نام سے معروف ہیں ۔ ۱۹۷۹ء کے انقلاب اسلامی کے دنوں میں یہ بہت عام مناظر تھے کہ لوگ پارکوں یا مختلف جگہوں میں جمع ہو کر اقبال کی لہو گرما دینے والی فارسی شاعری سنتے ۔ان ایام میں اقبال کا کلام ایک بہت متاثر کن اور باعث ترغیب محرک تھا جس سے لوگ نہ صرف محظوظ ہوئے بلکہ اسے طرزِ زندگی کے طور پر بھی اپنایا[۲]۔ یہی سبب ہے کہ ملک الشعرا بہار نے اقبال کو ایران کی نو سو سالہ ادبی تاریخ اور اسلامی مجاہدت کا نمائندہ قرار دیا ہے [۳]۔ دراصل اسلامی تہذیب وتمدن کی نمائندہ فارسی تصنیفات نے اقبال کی رسائی برصغیر کی حدود سے باہر جہاں جہاں فارسی بولنے اور سمجھنے والے تھے وہاں تک کرادی ۔خاص طور پر ایران میں ایک غیر فارسی ہونے کے باوجود اقبال کی فارسی تصنیفات نے جو ادبی انقلاب برپا کیا اس ضمن میں رہبر معظم سید علی خامنہ ای کی یہ رائے انتہائی معتبر ہے، جس کا اظہار انہوں نے تہران میں منعقدہ اقبال کی ۱۰۸ ویں سالگرہ پر پہلی بین الاقوامی کانفرنس کے افتتاحی سیشن کے موقعے پر کچھ ان الفاظ میں کیا تھا :

> (ترجمہ) ''۔۔۔۔مگر میرے مطابق اقبال کی فارسی شاعری شعری معجزات میں سے ایک ہے ۔ادبی تاریخ میں ہمارے ہاں غیر فارسی زبان کے کافی شعرا موجود ہیں، تاہم میں ان میں سے کسی ایک شاعر کی نشاندہی نہیں کرسکتا جس کی شاعری میں اقبال کی فارسی شاعری کی خصوصیات موجود ہوں ۔۔۔۔۔انہوں نے کچھ نظریات کو ایک شعر میں اتنے سہل انداز میں پیش کیا ہے کہ اگر کوئی انہیں نثر کی صورت میں ڈھالنا چاہتا تو طویل مدت اور کوشش درکار ہوتی ۔ یہ کوئی آسان کام نہیں حتیٰ کہ ہمارے لیے بھی کہ جن کی مادری زبان فارسی ہے ۔اقبال کا شاعری سے بہتر کوئی تعارف نہیں ۔'' [۴]

اقبال کی فارسی تصنیفات نے محققین پر فکر ونظر کے نئے زاویے تو عیاں کیے ہیں تاہم اب بھی نئے دریچے

کھل رہے ہیں اور مزید شعری وفکری جہات ظاہر ہو رہی ہیں ۔ زیرِ نظر مقالے میں اقبال کی فارسی مناقب کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔ مذہبی اصناف سخن میں حمد و نعت کے بعد منقبت انتہائی اہمیت کی حامل ہے ۔ منقبت کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری تحریر کرتے ہیں :

''اگر آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے بزرگ یا صحابی و امام کی تعریف بیان کی جائے تو اُسے منقبت کہیں گے ۔'' ۵

قاضی عبدالقدوس عرشی ڈبیائیوی کے بقول :

''منقبت وہ نظم ہے جس میں اہل بیتؑ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہؒ کی تعریف کی جاتی ہے ۔ خاص کر حضرت علیؑ کی تعریف کو منقبت کہتے ہیں ۔'' ۶

منقبت نگاری کی صنف حمد و نعت کی طرح عربی سے فارسی زبان میں منتقل ہوئی اور ایران میں بھی منقبت نگاری کو عروج حاصل ہوا ۔ مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم فارسی شعراء نے منقبت کو اپنی شاعری کا خاص موضوع بنایا ہے ۔ اس ضمن میں سید علی عباس جلال پوری کی اس تحریر سے مزید روشنی ملتی ہے :

''ایرانی تمدن کے احیاء کے ساتھ ہی فارسی شاعری کا آغاز ہوا اور قصیدے کے ساتھ عربی سے جو شعری روایات فارسی میں داخل ہوئیں ان میں منقبت بھی شامل تھی ۔'' ۷

تاہم یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے جس کے حوالے سے پروفیسر عبدالغنی کا خیال ہے کہ دورِ صفوی کے علاوہ باقی ہر دور کے قصیدے میں شاہ پرستی کا عنصر غالب رہا ہے ۔ دورۂ صفوی میں حکومت کا رجحان چونکہ مذہبی تھا لہٰذا اکثر قصائد نعتیہ یا ائمہ اطہار کی توصیف میں ہیں ۔ علامہ اقبال بھی چونکہ حقوق انسانیت کے علم بردار تھے لہٰذا انہوں نے بھی صرف انہی شخصیات کی توصیف کی ہے جو کسی نہ کسی شعبہ حیات میں انسانیت کی بہبود کے لحاظ سے معتبر تسلیم کی گئیں ۸ ۔ اس تناظر میں اقبال کی فارسی مناقب کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی منقبت نگاری محض قلبی عقیدت کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ اپنی ممدوح ہستیوں کی توصیف کے ذریعے عوام الناس کے کردار و عمل میں بہتری لانا چاہتے ہیں ۔ حضرت علیؑ کی مدح ہو یا بارگاہ فاطمہ الزہراؑ میں لکھی گئی توصیف یا امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کا تذکرہ ہو، ہر صورت میں اقبال نے اپنے مقصد اور منصب کو ملحوظ رکھا ہے کہ مسلمان قوم ان ہستیوں کی سیرت سے آگہی حاصل کرتے ہوئے اپنی خودی اور خود آگہی سے روشناس

ہو جائے۔ جیسا کہ پروفیسر عبدالودود اظہر نے علامہ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :

''شاعر اگر پیغمبرانہ ذمہ داری قبول کر لے تو یہ امر بہت ہی دشوار اور نازک ہو جاتا ہے۔ تبلیغ کے مرحلوں میں سب سے زیادہ کٹھن مرحلہ وہ کار ابلاغ ہے کہ جس کی بدولت سننے اور سمجھنے والے ایک ہی صدا پر مبلغ کے ارد گرد جمع ہو جائیں۔ اقبال نے بھی پیشۂ پیغمبری کو بخوبی ادا کیا۔ انہوں نے ایشیا کی ان قوموں کو خودی اور خود آگہی سے روشناس کیا جو دوسری قوموں کے زیر تسلط مجبور و مقہور تھے۔'' ۹

اقبال کی مناقب کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ان ہستیوں کے فضائل سے منقبتوں کو آراستہ کیا ہے جو تاریخ اسلام کے روشن ستارے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ عربی، فارسی، ہندی اور اردو شاعری کی تاریخ میں منقبتوں کے باب میں سب سے زیادہ جو موضوع برتا گیا ہے وہ حضرت علیؑ کی ذات والا صفات پر مبنی ہے جسے دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں نے بھی کھلے دل سے سراہا ہے۔ مثلاً Philip. K. Hitti نے اپنی کتاب *History of Syria* میں حضرت علیؑ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :

"Ali was rich in those lofty qualities that from the Arab point of view, constitute a perfect man Eloquent in speech, sage in council, valiant in battle, true to his friends, magnanimous to his foes, tradition raised him to the position of paragon of Muslem chivalry". (10)

ترجمہ : ''عربوں کے نقطہ نظر سے علیؑ میں یہ صفاتِ اعلیٰ پائی جاتی تھیں جو ایک انسان کامل میں ہونی چاہیں۔ خطابت میں فصاحت و بلاغت، مشاورت میں صاحب فراست، جنگ میں بطل شجاعت، اپنے دوستوں سے سچے اور مخلص، اپنے دشمنوں کے حق میں سخی اور سیر چشم۔ اس روایت اور مسلک نے انہیں مسلمانوں کی شجاعت کی ایک اعلیٰ مثال بنا دیا۔''

اقبال کو بھی حضرت علیؑ کی ان صفات عالیہ کا بخوبی احساس تھا۔ جس کا ثبوت اسرار خودی میں شامل ''در شرح اسمائے علیؑ مرتضیٰ'' ہے اس نظم کا مطلع ملاحظہ ہو :

مسلمِ اوّل شہ مردان علیؑ عشق را سرمایۂ ایمان علیؑ ۱۱

حضرت علیؑ کی اس منقبت میں اقبال نے ان تمام فضائل و کمالاتِ علی کو یکجا کرتے ہوئے گویا دریا کو

کوزے میں سمودیا ہے جن کا ذکر اسلامی تاریخ کے اوراق میں تفصیل سے موجود ہے۔ یوں تو اقبال گاہے بگاہے حضرت علیؑ کی توصیف اپنے اردو اور فارسی اشعار میں کرتے رہے ہیں مگر یہ نظم فضائل علیؑ کو اس انداز سے بتدریج عیاں کرتی ہے کہ پڑھنے والے پر کردار علیؑ کے اوصاف کھلتے چلے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ محض عیاں ہونے تک محدود نہیں بلکہ فضائل علیؑ، خدا اور خدا پرستی، خودداری، تزکیۂ نفس، دنیاوی خواہشات سے کنارہ کشی، جابر طاقتوں سے نبرد آزمائی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی خصوصیات سے مزین ہو کر کردار سازی اور معاشرتی جدوجہد کے محرکات کے طور پر ابھرتے ہیں۔ یہ منقبت محض اقبال کے دل کی آواز نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے قوت و کامیابی اور عزم و حوصلے کی علامت محسوس ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

قوت دین مبین فرمودہ اش   کائنات آئین پذیر از دودہ اش
مرسل حق کرد نامش بوتراب   حق ید اللہ خواند در اُمّ الکتاب
ہر کہ دانای رموزِ زندگیست   سرِ اسمائے علی داند کہ چیست
از ہوس تیغ دو رو دارد بدست   رہروان را دل برین رہزن شکست
شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد   ایں گل تاریک را اکسیر کرد [۱۲]

علامہ نے حضرت علیؑ کی کنیت بوتراب یعنی مٹی کے باپ کو بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ کم و بیش تمام ہی زبانوں میں جہاں منقبت نگاری مروّج ہے، حضرت علیؑ کے لیے شیر کا استعارہ استعمال ہوتا ہے اور شیر خدا ان کا وہ لقب ہے جو انہیں بہادری، شجاعت اور دلیری کی وجہ سے عطا ہوا۔ جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب "A Short History of Sarasens" میں حضرت علی کے بارے میں یہ لکھا ہے :

"His bravery had won him the title of the '*Lion of God*".(13)

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے حضرت علیؑ کے اس لقب کو کہیں شیر حق کے طور پر لکھا ہے تو کہیں اسد اللہ کہہ کر ان کی بہادری اور جرات کے فضائل بیان کیے۔ آگے کے اشعار میں کہتے ہیں :

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است   بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است
مرد کشور گیر از کراری است   گوہرش را آبرو خودداری است

ہر کہ زین بر مرکبِ تن تنگ بست چون نگین برخاتم دولت نشست
زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است دست او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاہی یدُ اللّٰہی کند از یدُ اللّٰہی شہنشاہی کند
ذات او دروازۂ شہرِ علوم زیر فرمانش حجاز و چین و روم [۱۴]

اقبال اپنی منقبت محض مدح وعقیدت کے اظہار کے طور پر نہیں لکھتے بلکہ انہوں نے مسلمان قوم کو اپنی ممدوح کی صفات کے زاویے دکھاتے ہوئے کردار کے ان اوصاف کو اجاگر کیا ہے جو ایک مسلمان کا خاصہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں حضرت علیؑ کی آہنی تلوار نے اسلام کو مستحکم ومضبوط کیا۔ آپ کی حیات کا ہر لحہ اور ہر عمل رضائے خدا کی اطاعت میں بسر ہوتا تھا۔ اپنے نفس کو مغلوب کرنے کے سبب آپ کو بوتراب کا خطاب ملا۔

اقبال حدیث رسولؐ انا مدینة العلم و علیٌ بابها کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت علی کو دروازۂ شہرعلوم قرار دیتے ہیں۔ اس منقبت میں علامہ حضرت علیؑ کے اوصاف کے پس منظر میں یہ بتارہے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر انسان کو اپنی خودداری اور دنیا میں اپنا منفرد مقام ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تن آسانیاں ڈھونڈنے کے بجائے محنت، جفاکشی اور عزم وحوصلے کے ساتھ زندگی کے رازوں کی جستجو میں مصروف رہنا چاہیے۔ زمانے کے حالات سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے ان سے مغلوب نہیں ہونا چاہیے۔ جولوگ اطمینان قلب کی دولت سے بہرہ مند ہوتے ہیں وہ اپنی خداداد طاقت سے بڑی سے بڑی مہم جوئی کرڈالتے ہیں۔ انہیں پر مشقت زندگی پسند ہوتی ہے اور سہل انگاری سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک طاقت وتوانائی، حق وصداقت کے متبادل ہیں۔ اگر حیات انسانی کو کھیت سے تعبیر کیا جائے تو توانائی کو قوتِ پیداوار قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ممکنات قوت مردانِ کار گرد از مشکل پسندی آشکار
حربۂ دون ہمتان کین است و بس زندگی را این یک آئین است و بس
زندگانی قوت پیداستی اصل او از ذوق استیلاستی
ناتوانی زندگی را رہزن است بطنش از خوف و دروغ آبستن است
با توانائی صداقت تو اَم است گر خود آگاہی ہمین جامِ جم است
زندگی کشتِ است و حاصل قوت است شرحِ رمزِ حق و باطل قوت است [۱۵]

اقبال نے ۵۹ اشعار کی اس منقبت میں حضرت علیؑ کے اسما کے اسرار کی شرح بیان کرتے ہوئے روح کی بلندی، پستیٔ خاک، عشقِ حقیقی کے انسانی قلب پر اثرات اور مستقل عمل کے فائدوں، انسان کے باطنی و جسمانی محرکات کو حضرت علیؑ کے فضائل سے کچھ اس طرح منسلک کر دیا ہے کہ پوری نظم گویا امیر المومنین کی فضیلتوں سے ارتباط رکھنے کے ساتھ ساتھ انسانی کردار کو مضبوط و ارفع بنانے کی دعوت فکر دے رہی ہے۔ اس منقبت کے علاوہ باقیات اقبال میں شامل ''سپاس جناب امیرؑ'' وہ منقبتی نظم جس کے حوالے سے مدیرِ مخزن لاہور نے جنوری ۱۹۰۵ء کے شمارے میں یہ لکھا تھا :

''ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لیے اکثر دفعہ اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم باظہارِ عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے تھے۔'' ۱۶؎

سپاسِ جنابِ امیر کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں :

اے محو ثنائے تو زبانہا اے یوسفِ کاروانِ جانہا
اے بابِ مدینۂ محبت اے نوح سفینۂ محبت
اے ماحیٔ نقشِ باطل من اے فاتح خیبرِ دلِ من ۱۷؎

علامہ کی یہ منقبت جہاں عشق علیؑ کے جذبے سے سرشار ہے وہیں مدح سرائی میں تعریف و توصیف کے لیے الفاظ و تراکیب کا نادر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس منقبت کا مطالعہ یہ عیاں کرتا ہے کہ اقبال قرآن حکیم، احادیث رسول ﷺ اور اسلامی تاریخ میں حضرت علیؑ کی قدر و منزلت سے بخوبی آگاہ تھے۔ درج ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ نے مدح کرتے ہوئے کچھ خاص اسلامی واقعات کو بطور علامت پیش کیا ہے: مثلاً : حضرت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اے سِرِّ خط وجوب و امکان تفسیر تو سورہ ہائے قرآن
اے سِرِّ نبوت محمد ﷺ اے وصف تو مدحت محمد ۱۸؎

یوں تو علامہ نے اپنی اردو اور فارسی غزلوں اور نظموں میں بارہا خلفائے راشدین، اہل بیت اور اصحاب

رسول ﷺ کی مدح کی ہے۔ جیسے :

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانی (۱۹)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے (۲۰)

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرارؓ (۲۱)

تاہم حضرت علیؓ کے باب میں ''در شرح اسرار اسمائے علی المرتضیٰ'' اور ''سپاس جناب امیرؓ'' میں گویا فضائل و کمالات علیؓ کو اس طرح اختصار کے ساتھ جامع طور پر بیان کیا گیا ہے کہ گویا منقبت کے ساتھ ساتھ عوام الناس سے ابلاغ کی براہِ راست صورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد ریاض کی یہ رائے اہمیت کی حامل ہے :

''ذولسانین شاعر عام طور پر غیر مادری زبان میں گنجلک اور مشکل الفاظ استعمال کرتے اور زبان و بیان کی ہنر نمائی کی طرف توجہ دیتے رہے ہیں۔ اقبال کا مقصد ابلاغ عام تھا، اس لیے ان کے ہاں لفظی یا معنوی دشواریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' (۲۲)

زبور عجم، ارمغان حجاز اور جاوید نامہ میں بھی حضرت علیؓ کے اوصاف کو منقبتی انداز میں اقبال نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ عوام کردار علیؓ پر عمل کرتے ہوئے اپنے اندر انہی اوصاف کو اجاگر کریں جو امام علیؓ کی سیرت کا حصہ تھے، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کہ در قبیلہ، حیدری زکراری است (۲۳)
من آن علم و فراست باپر کا ہے نمی گیرم کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را
بہر نرخے کہ این کا لا بگیری سود مند اُفتد بزورِ بازوئے حیدر بدہ ادراکِ رازی را (۲۴)
پیش او نہ آسمان نہ خیبر است ضربت او از مقام حیدر است (۲۵)

حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں :

بدہ او را جوانِ پاکبازی سرورش از شراب خانہ سازی

قوی بازوے او مانندِ حیدر دل او از دد گیتی بے نیازی(۲۶)

فارسی مناقب کے ذیل میں اقبال کی ''رموز بے خودی''میں شامل ''درمعنی این کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزھرا اسوۂ کاملہ است برائے نساء اسلام''انتہائی اہم مقام رکھتی ہے۔جگر گوشہ رسول ﷺ،سیدۂ عالم، خاتونِ جنت کی شان میں لکھی گئی یہ منقبت دراصل ہر دور اور ہر زمانے کی عورتوں کے لیے تمام شعبہ ہائے زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مشعل راہ ہے۔منقبت کا آغاز حضرت فاطمہؑ کے اوصاف عالیہ سے ہو رہا ہے جو آپ کو دیگر متبرک خواتین میں ممتاز کرتے ہیں۔یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمۃ اللعالمین ﷺ آن امام اولین و آخرین
آن کہ جان در پیکر گیتی دمید روزگار تازہ آئین آفرید
بانوئے آن تاجدارِ ھل اَتیٰ مرتضیٰؑ مشکل کشا، شیرِ خدا
مادرِ آن مرکزِ پر کار عشق مادرِ آن کاروان سالار عشق (۲۷)

علامہ اقبال نے اس منقبت میں حضرت فاطمہؑ کی فضیلتوں کو بیان کرتے ہوئے تین حوالوں سے آپ کی فضیلت و برتری کو بیان کیا ہے حضرت فاطمہؑ کا پہلا شرف یہ ہے کہ آپ سرور کائنات رسول اکرم ﷺ کی بیٹی ہیں۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کی زوجہ ہیں اور آپ کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ آپ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی والدہ گرامی ہیں۔آگے کے اشعار میں اقبال نے فضائل حضرت فاطمہؑ کو تاریخی واقعات کی روشنی میں نظم کیا ہے۔پھر ایک مسلمہ حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

سیرتِ فرزندہا از امّہات جوہرِ صدق و صفا از امّہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ مادران را اسوۂ کامل بتولؑ(۲۸)

آغوش مادر، بچے کا اوّلین مدرسہ ہوتا ہے۔ماں کے اوصاف، اس کا کردار و انداز اور سب سے بڑھ کر اس کی تربیت کے اثرات اولاد میں ضرور منتقل ہوتے ہیں۔لہٰذا اقبال تمام مسلمان ماؤں کو سیرت فاطمۃ الزہراؑ پر عمل پیرا ہونے کا درس دے رہے ہیں۔تربیت اولاد پر اقبال نے بارہا اپنے کلام میں زور دیا ہے۔اقبال دختران ملت سے مخاطب ہو کر انہیں نصیحت کرتے ہوئے یہ نکتہ واضح کر رہے ہیں کہ وہ امر جس کی بدولت ہزاروں قوموں کی

موت پر بھی حیات پانے کے لیے ضروری ہے کہ اسوۂ فاطمہؑ پر عمل کرتے ہوئے نئی تہذیب کے مضر اثرات سے بچنا ممکن ہے اور اسی طرح یہ قوم کی بیٹیاں ایسے فرزندوں کی اپنی آغوش میں تربیت کرسکیں جو کردار حسینی کے عکاس ہوں ۔ چنانچہ نظم دختران ملت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

اگر پندے ز درویشی پذیری ہزار امت بیمرو تو نہ میری
بتولے باش و پنہان شو ازین عصر کہ در آغوش شبیرئ بگیری(۲۹)

حضرت حسنین علیہم السلام کی اعلیٰ ترین تربیت اور حضرت فاطمہؑ کا ارفع و روشن کردار تمام خواتین کے لیے وہ نمونۂ عمل ہے کہ ایک عورت کو بحیثیت بیٹی، بیوی اور ماں اپنی زندگی کے اوقات کو کس انداز میں عادلانہ طور پر تقسیم کرنا چاہیے ۔ حضرت فاطمہؑ کی نرم دلی اور مساکین ومحتاجوں کی مدد کا جذبہ ان کی خاص فضیلت ہے ۔

اقبال کہتے ہیں :

بہر محتاجے دلش آن گونہ سوخت با یہودے چادرِ خود را فروخت(۳۰)

علامہ اقبال سیرت فاطمۃ الزہرا کے وہ گوشے اجاگر کررہے ہیں جو ایک مسلمان عورت کے لیے گرانقدر سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ مثلاً کہتے ہیں :

نوری و ہم آتشی فرمانبرش گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہائے او ز بالین بے نیاز گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشک او برچید جبریل از زمین ہمچو شبنم ریخت بر عرش برین(۳۱)

اختتامی اشعار میں اقبال اپنی قلبی کیفیت کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کررہے ہیں :

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست پاس فرمانِ جناب مصطفیٰؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمی سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمی(۳۲)

فارسی مناقب کے باب میں اقبال نے امام حسینؑ کی بارگاہ میں بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ امام حسینؑ کی لازوال قربانی رہتی دنیا تک کے لیے تاریخ میں رقم ہو چکی ہے ۔ واقعہ کربلا کے عظیم کرداروں کو

خراج عقیدت پیش کرنے کی یہ روایت عرصہ دراز سے قائم ہے۔ اس عظیم قربانی کی یاد میں مسلم اور غیر مسلم غرض شاعروں کی اکثریت نے اپنے اپنے طور پر امام حسینؓ اور ان کے رفقا کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یقیناً یہ بات شعرائے کرام کے پیش نظر رہی ہوگی کہ منقبت نگاری کی شرط اول چونکہ عقیدت ہے اس لیے منقبت کا خاصہ یا اصلی جوہر رنگ عقیدت سے ظاہر ہوتا ہے۔ عقیدت کی مختلف صورتوں کے بارے میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کہتے ہیں :

''عقیدت کے اظہار کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک سطح پر انسان محض رسماً اپنی عقیدت کا اعلان کرتا ہے۔ دوسری سطح وہ ہے جہاں انسان دل سے کسی فرد کی توقیر تو کرے لیکن اس کا عمل اس کی فکر کا ہم نوا نہ ہو۔ عقیدت کی بہترین صورت اس وقت سامنے آتی ہے جب انسان کے رگ و پے میں ممدوح کی محبت لہو بن کر گردش کرنے لگے۔'' (۳۳)

اس ضمن میں علامہ اقبال کی فارسی مناقب کا جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی منقبت نگاری اس تیسری صورت کی مظہر ہے جبکہ انسان اپنے ممدوح کے عشق میں ڈوب کر اسی کا کردار و عمل اپنانے اور معمولات زندگی میں اس ہستی کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے اپنے ممدوحین کو ان روشن میناروں سے تعبیر کیا ہے جن کی روشنی سے انہوں نے اپنی زندگی کو سجایا ہے۔ تاہم یہاں یہ نکتہ نہایت واضح ہے کہ وہ ان ہستیوں کی حیات کو بطور نمونۂ عمل منتخب کرتے ہوئے کار تبلیغ سرانجام دینے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ رموز بے خودی میں شامل ''در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا'' میں حریت کی حقیقت واقعہ کربلا کی روشنی میں واضح کی گئی ہے (۳۴) جو اس امر کی دلیل ہے کہ اقبال امام حسینؓ کی عظیم قربانی کو تمام عالم اسلام کے لیے معیار قرار دیتے ہوئے دنیا بھر کے مسلمانوں کو سیرت حسینؓ کا اتباع کرنے کا درس دیتے ہیں۔:

امام حسینؓ کے تعارف کا ان مدحیہ اشعار سے آغاز ہوتا ہے :

آن امامِ عاشقان پور بتولؑ سروِ آزادی ز بستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہر آن شہزادہ خیر الملل دوشِ ختم المرسلین نعم الجمل (۳۵)

اقبال کی مدح محض عقیدت و احترام کے جذبے کی کارفرمائی نہیں، بلکہ وہ سماجی نقطۂ نگاہ سے ملک و ملت کے لوگوں کو حسینی سیرت و کردار کے ذریعے حق پر ثابت قدم اور ظلم کے آگے سینہ سپر ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ حسینؑ حق اور یزید باطل کے استعارے کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں ۔حسینؑ نے غیرت و عشق الٰہی سے لبریز ہو کر باطل قوتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔اقبال بھی مسلمانوں سے ان کی قومی غیرت اور عشق خدا کے متقاضی ہیں ۔امام حسین ؑ کے ارفع مقام کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

درمیان امت آن کیوان جناب　　ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب
موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید　　این دو قوت ازحیات آمد پدید (۳۶)

اقبال گویا دعوت انقلاب دے کر مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو بیدار کرتے ہوئے اسوۂ حسینی کی معراج یعنی حق گوئی و شجاعت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حسینؑ کی قربانی سے قیامت تک کے لیے حق اور باطل کے درمیان نہ صرف فاصلہ قائم ہو گیا بلکہ ظلم و جور کا خاتمہ بھی ممکن ہوا۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

زندہ حق از قوت شبیری است　　باطل آخر داغِ حسرت میری است
چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت　　حرّیت راز ہر اندر کام ریخت
خاست آن سر جلوۂ خیر الامم　　چوں سحاب قبلہ باران در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت　　لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد　　موج خونِ او چمن ایجاد کرد (۳۷)

اقبال نے امام حسینؑ کی قربانی کے فلسفے کو جستہ جستہ نئی اور نظموں میں بھی اجاگر کیا ہے جیسے :

ریگ عراق منتظر کشتِ حجازِ تشنہ کام
خونِ حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را(۳۸)

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ''در معنی حقیقت حریت اسلامی و سر حادثہ کربلا'' اصل معنوں میں مقصد حسینی کی ترجمان ہونے کے علاوہ تمام عالم اسلام کے لیے جدو جہد آزادی کی علامت بھی تصور کی جاتی ہے ۔اقبال کی فارسی مناقب کے مطالعے کے دوران بے اختیار شیخ عبدالقادر سابق مدیر مخزن کے وہ الفاظ ذہن میں گونجتے ہیں کہ اقبال کی فارسی نے وہ کام کیا جو اردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے، اقبال کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی وسیع اشاعت ضروری تھی ۔ (۳۹)اقبال کی منقبتیں جہاں اہل بیت اطہارؑ کے اوصافِ حمیدہ اور ان کی روحانی عظمت کی عکاس ہیں وہیں من حیث القوم تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ عقیدت و لائق تقلید ہیں ۔اقبال دنیائے اسلام کو انہی ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کا درس دیتے ہیں تا کہ مسلمان

دنیاو آخرت میں سرخرو ہوسکیں۔اقبال نے اپنی فکر کو مناقب کے سانچے میں ڈھال کر اپنے ممدوحین کو صبر وشجاعت، بہادری و استقامت اور اطاعت و نیابت الٰہی کی علامت قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک مسلم معاشرہ اسی وقت کامیابی سے پروان چڑھ سکتا ہے جب محمدؐ وآل محمدؐ کی سیرت کی پیروی کی جائے۔یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر علی شریعتی نے اقبال کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''اقبال کا منفرد کارنامہ ان کی وہ عظیم کامیابی ہے جو انہوں نے بیسویں صدی عیسوی کے اسلامی معاشرے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے حاصل کی ہے۔اقبال کو بیش قیمت قدیم و جدید سرمایے کی جو شناخت تھی اسی کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنے اعتقادی مکتب فکر یعنی اسلام کی نہج پر اپنے مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔یہی اقبال کی سب سے بڑی کامیابی ہے اور بیسویں صدی کے ہمارے معاشرے میں یہی کامیابی ان کی عظمت و بزرگی کی دلیل ہے۔''(۴۰)

کتابیات وحوالہ جات

۱) رفیق خاور،اقبال کا فارسی کلام ایک مطالعہ،بزم اقبال،لاہور،باراول،۱۹۸۸ء،ص ۷

2) *Dawn, In Paper Magazine: Heritage: Eghbal-i-Lahuri and the Iranians, dated 4th Sept. 2011*

۳) خواجہ عبدالحمید عرفانی،ڈاکٹر،اقبال ایرانیوں کی نظر میں،اقبال اکادمی،کراچی،باراول،۱۹۵۷ء،ص ۱۶

4) www.khudiword_press.com, Context from speech by Sayyid Ali Khamenei, translated in by Amber Fatima Urdu

۵) فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،اردو غزل،نعت اور مثنوی،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۲۲۶

۶) قاضی عبدالقدوس عرشی،ڈیپائیوی،اصناف ادب اور علم بیان اور علم بدیع،مکتبہ عالیہ لاہور،۱۹۹۱ء،ص ۳۹

۷) سید علی عباس جلالپوری،مقالات جلال پوری،آئینہ ادب،لاہور،سن ندارد،ص ۹۵

۸) عبدالغنی،پروفیسر،علامہ اقبال کی فارسی نظم گوئی،بزم اقبال،لاہور،۲۰۰۰ء،ص ۱۲۴۔۱۲۵

۹) عبدالودود اظہر،پروفیسر،مضمون :اقبال،فارسی اور جہان فارسی،مشمولہ اقبال کی فارسی شاعری،(مرتبہ)،ڈاکٹر محمد امین اندرابی،اقبال انسٹی ٹیوٹ،کشمیر یونیورسٹی،سری نگر،باراول،۱۹۸۹ء،ص ۱۵۔۱۶

(۱۰ Philip Khuri Hitti, *History of Syria*, Dar As Sakafah, Egypt, 1958, Page 433

(۱۱ اقبال،اسرارِخودی، مشمولہ کلیات اقبال فارسی،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،بارسوم،۱۹۷۸ء،ص ۴۷

(۱۲ ایضاً،ص ۴۷۔۴۸

(۱۳ Syed Ameer Ali, *Short History of Saracens*, MacMillian and Co. London, 1916, Page 52, 53

(۱۴ اقبال،اسرارِخودی،مشمولہ کلیات اقبال فارسی،ص ۴۸ (۱۵ ایضاً، ص ۵۰

(۱۶ شیخ عبدالقادر حسن،تعارفی برائے نظم منقول از مخزن جنوری ۱۹۰۵ء،مشمولہ باقیات اقبال،(مرتبہ) سید عبدالواحد معینی مجلس اقبال، کراچی،۱۹۵۲ء،ص ۱۰۲ (۱۷ ایضاً،ص ۱۰۲ (۱۸ ایضاً،ص ۱۰۲۔۱۰۳

(۱۹ اقبال،بالِ جبریل،مشمولہ،کلیات اقبال اردو،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۷۳ء،ص ۱۲۰

(۲۰ ایضاً،ص ۱۲۴ (۲۱ اقبال،ضربِ کلیم، مشمولہ کلیات اقبال اردو،ص ۲۷

(۲۲ محمد ریاض،ڈاکٹر،اقبال اور فارسی شعراء، اقبال اکادمی،لاہور،باراول،۱۹۷۷ء،ص ۳۳

(۲۳ اقبال،زبورِعجم، مشمولہ کلیات اقبال فارسی،ص ۱۰۸

(۲۴ ایضاً،ص ۱۴۹ (۲۵ اقبال،جاوید نامہ، مشمولہ کلیات اقبال فارسی،ص ۹۸

(۲۶ اقبال،ارمغانِ حجاز مشمولہ کلیات اقبال فارسی،ص ۲۷

(۲۷ اقبال،رموزِ بےخودی،ایضاً،ص ۱۵۲ (۲۸ ایضاً

(۲۹ اقبال،ارمغانِ حجاز،ایضاً،ص ۱۳۳ (۳۰ اقبال،رموزِ بےخودی،ایضاً،ص ۱۵۲

(۳۱ ایضاً،ص ۱۵۳ (۳۲ ایضاً

(۳۳ سید شبیہ الحسن،ڈاکٹر،سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں،الحسن پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۶ء،ص ۱۱۲

(۳۴ عبدالشکور احسن،ڈاکٹر،اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ،اقبال اکادمی،پاکستان،ص ۴۷

(۳۵ اقبال،رموزِ بےخودی مشمولہ،کلیات اقبال فارسی،ص ۱۱۰

(۳۶ ایضاً،ص (۳۷ ایضاً

(۳۸ اقبال،زبورِعجم مشمولہ کلیات اقبال فارسی،،ص ۱۴

(۳۹ شیخ عبدالقادر،دیباچہ،مشمولہ کلیات اقبال اردو ،اقبال،ص ۱۷

(۴۰ علی شریعتی،ڈاکٹر،علامہ اقبال (مصلح قرن آخر)،(مترجم) کبیر احمد جائسی،کشمیر انسٹی ٹیوٹ،کشمیر یونیورسٹی،سری نگر،باراول، ۱۹۸۲ء،ص ۴۶